

نہرو بال پستکالیہ

جب ندی بولی تھی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

(1904 ساکا) 1983

© کملا ناتھ 1978



The Day the River spoke (Urdu)

PUBLISHED BY THE DIRECTOR, NATIONAL BOOK TRUST, INDIA, A-5, GREEN PARK, NEW DELHI-16 AND PRINTED AT J. K. OFFSET PRINTERS 315, JAMA MASJID, DELHI-6.

نہرو بال پستکالیہ — 45

جب ندی بولی تھی

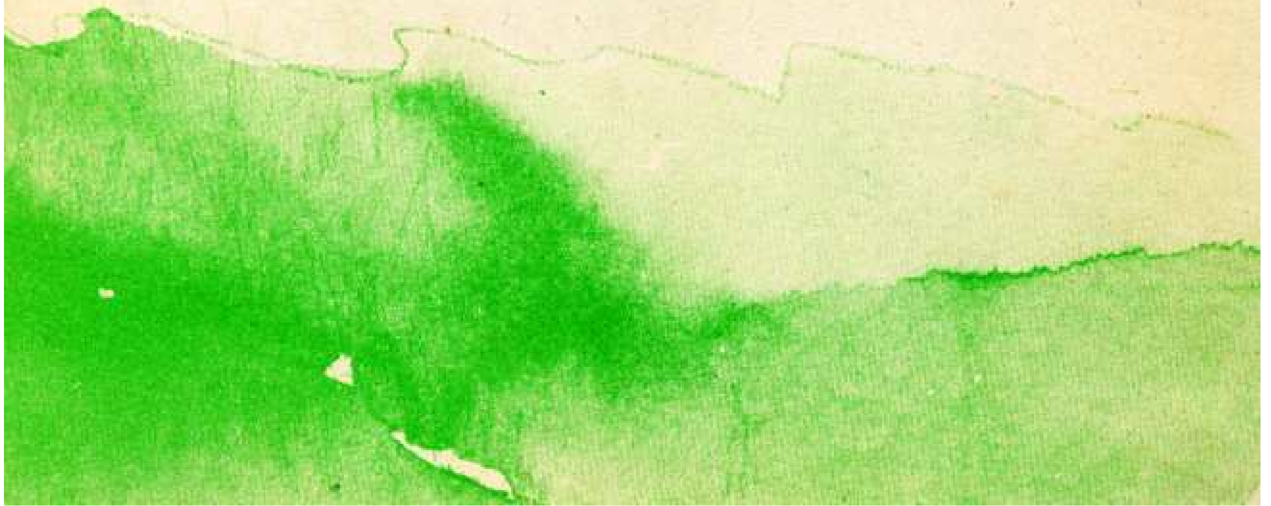


مصنف: کملا نائر
مصور: شنکر سین
مترجم: سیدی اعجاز



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

جانو بانسوں کی باڑ کے ایک چھید میں سے گزر کر دوسری طرف نکل آئی اور دھان کے کھیتوں کے بیچ والے راستے پر چلنے لگی۔ دور دور جہاں بھی نظر جاتی، دور شمال میں صبح سویرے کے آسمان کے نیچے، نیلی مٹ میلی پہاڑیوں سے لے کر، مغرب میں ریل کی پٹریوں تک اور سامنے جنوب میں بہتی ندی تک جو سلہٹی پتھروں اور چٹانوں کے بیچ سے گزرتی ہوئی سمندر تک پہنچتی ہے، دھان کی ہری ملایم بالیاں ہی بالیاں دکھائی دیتی تھیں۔





سمندر تو یہاں سے دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن مچھیرا چندو تو اس ندی سے سمندر تک کے اپنے سفر کے بارے میں کئی کہانیاں سنایا کرتا ہے کہ ندی کے دہانے سے اپنی ناؤ کو کھے کر لے جانے میں کیسی ہوشیاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ چندو سے کہانیاں سُننا، اور اس کی پکڑی ہوئی مچھلیاں دیکھنا کتنا اچھا لگتا ہے۔ ناؤ کو دیکھتے ہوئے ندی اور سمندر سے سنہری رو ہو مچھلیاں جسے اس کے گاؤں کے سب ہی لوگ بہت پسند کرتے ہیں اور چھوٹی شارک مچھلیاں جنہیں نمک لگا کر رسوئی کے شہتیروں میں ٹنگی تاڑ کے پتوں سے بنی ٹوکریوں میں رکھا جاتا ہے۔ ان سب کاموں کو دیکھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔

جہاں کھیت ختم ہوتے ہیں، وہاں ندی کے کنارے کنارے ناریل کے پیڑ قطار باندھے اس طرح کھڑے ہیں جیسے دھوپ میں پر پھیلا رکھے ہوں۔ رات کو جب چاند کا بڑا سا گولہ پہاڑیوں کے پیچھے سے ابھر آتا ہے تو چاندنی میں نہائے ان کے پتے سرسراہٹ کی آوازیں بکھیرنے لگتے ہیں اور جب کبھی بانسوں کے جھرمٹ میں سے ہوا گذرتی ہے تو سُر سُر کی مدھر آوازیں ان میں سے نکلتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سب بانس مل کر کوئی پیارا سا گیت گا رہے ہوں۔





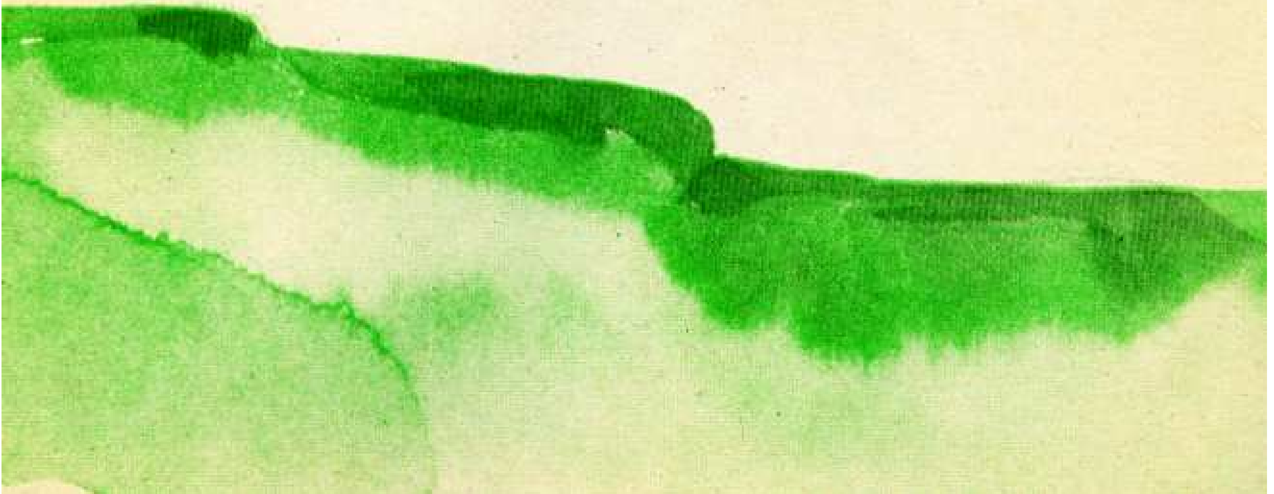


جانواب سمندر کی طرف سے آنے والی سیدھی سیدھی ہوا کو سانس کے ساتھ کھینچتی ہوئی دھیرے دھیرے چلنے لگی تھی۔ کبھی وہ رک کر چھوٹے چپٹے پتھر اٹھاتی جنہیں وہ بینا کے گھر کے تالاب کے پانی میں تیرانے کے لیے اکٹھا کر رہی تھی۔ لال ریشمی کپاس کا پیڑ رنگوں اور گہنوں سے سجا دھجا تھا اور لال چمپئی کی مڑی ہوئی ڈالیاں کلیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے لال چمپئی کی دو کلیوں کو توڑا اور ان کی پنکھڑیوں کو اس طرح موڑا کہ وہ کان کی بالی کی طرح لگنے لگیں۔ ان کی خوشبو بہت پیاری تھی۔ کچھ کلیاں اس نے اپنے بالوں میں بھی لگا لیں۔

اچانک اس کی نظر اس کلی کے سنہرے دل پر بیٹھی ایک چھوٹی سی پیلی مکڑی پر پڑی۔ پہلے تو وہ گھبرا گئی۔ پھر اس نے اسے جھاڑ دیا۔ مکڑی لمبا تار چھوڑتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ ایک چھوٹی سی سنہری مکڑی! جانو سوچنے لگی۔ "میں تو پہلے اسے دیکھ ہی نہیں سکی۔ یہ پھول کی طرح پیلی ہے۔" اس نے بھوری اور بڑی کالی مکڑیاں تو دیکھی تھیں لیکن اس رنگ کی مکڑی تو اس نے پہلے کبھی دیکھی ہی نہ تھی۔

اب تو وہ ندی کے کنارے پہنچ گئی تھی۔ وہاں وہ اپنے من پسند پتھر پر گالوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی ماں نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل لگا رکھا تھا اور اس کے بالوں کو سنوار کر ایک پیاری سی چٹیا بنا دی تھی۔

ایک ہری چھپکلی پتھر کے نیچے سے نکلی اور بانسوں کے بیچ غائب ہو گئی۔ دور سے کٹھ بڑھئی کی ٹھک ٹھک کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہاں کی خاموشی کو توڑتے ہوئے ندی کل کل کرتے ہوئے بہہ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ سے ہی باتیں کرنے لگی۔ اُسے اپنے سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ "میں نے پیلی مکڑی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ پیلی مکڑیاں پیلے پھولوں میں کیوں چھپی رہتی ہیں؟ مجھے یہ بات ایٹن سے پوچھنی چاہیے۔"



اِٹّن اسکول جاتا تھا جہاں ماسٹرجی اسے پڑھنا اور لکھنا سکھاتے تھے۔ برآمدے میں بیٹھ کر وہ اپنا سبق زور زور سے یاد کرتا تھا۔ اس کے گاؤں کے لڑکے تو سب ہی اسکول جاتے تھے لیکن سب لڑکیاں اسکول نہیں جاتیں۔

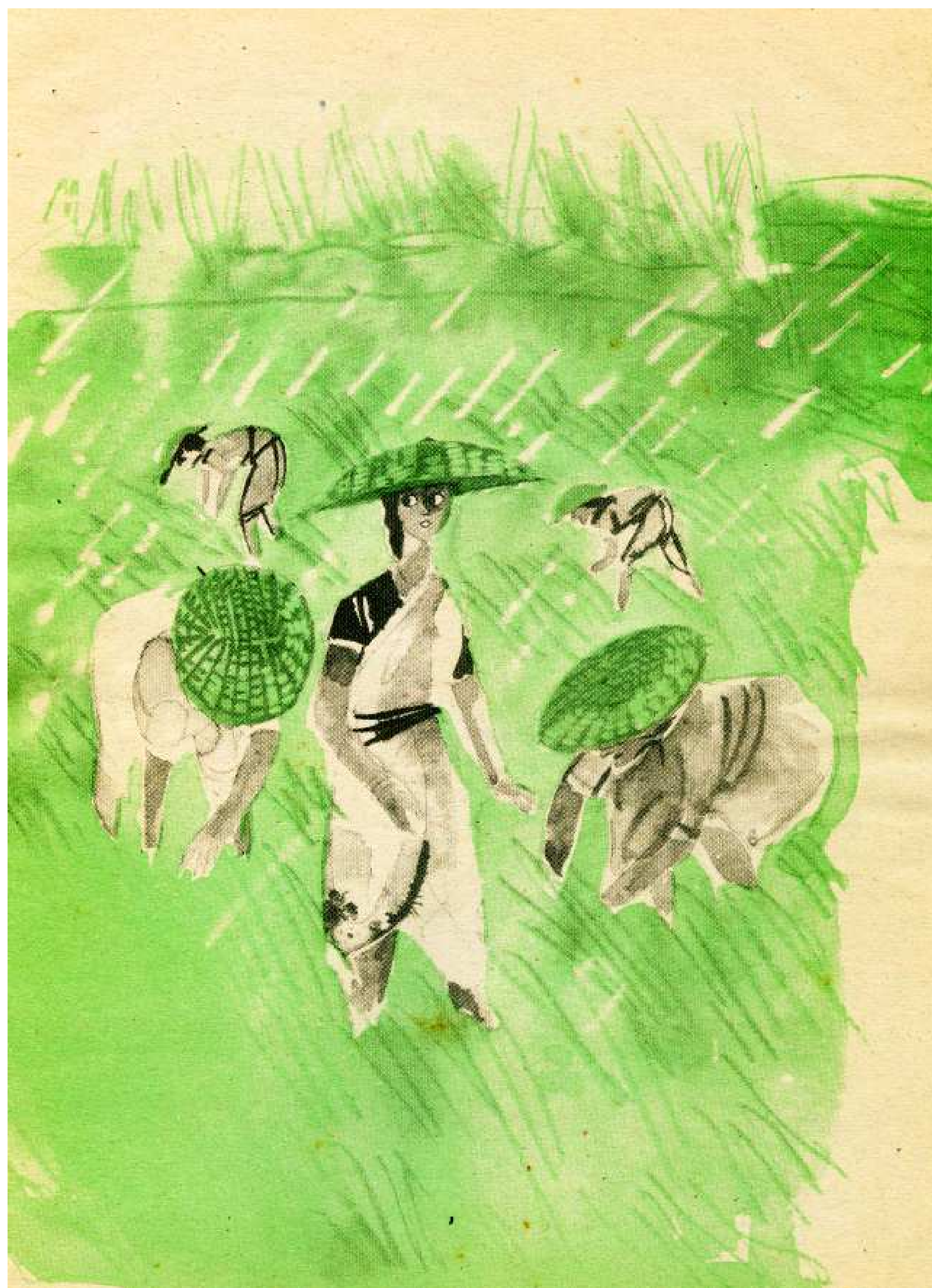






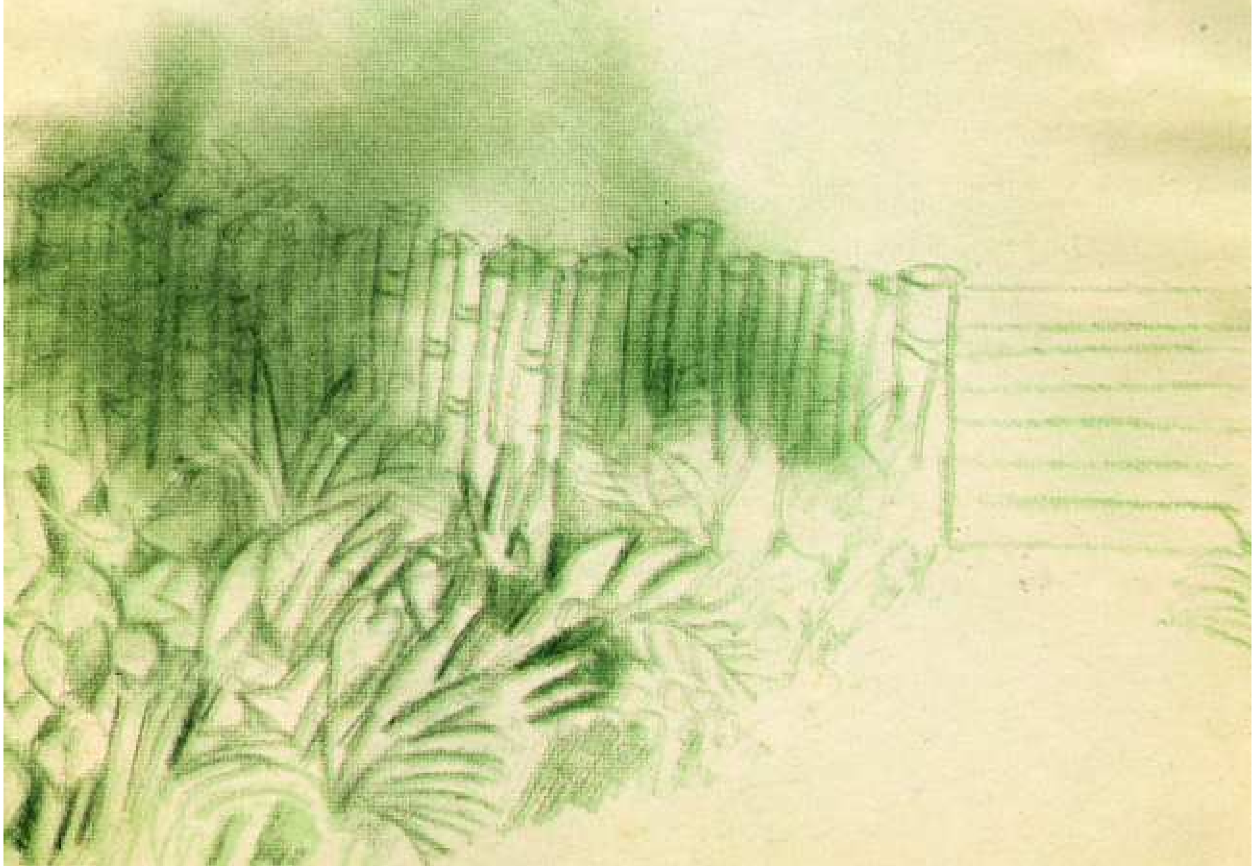
مینا اسکول جاتی تھی مگر اس کی بات اور بھی اس کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا اور اس کے باپو گاؤں کے مکھیا تھے۔ اتنا ہی نہیں، اس کی ماں جب ریل گاڑی میں بیٹھ کر شہر جاتی تھیں تو وہ سنہری زری کا بلاؤز پہنتی تھیں۔ ان کے پاس ایک بڑھیا کالی چھتری بھی ہے ایک چھتری مینا کے پاس بھی ہے، چھوٹی، کالی لال جھالروں والی۔

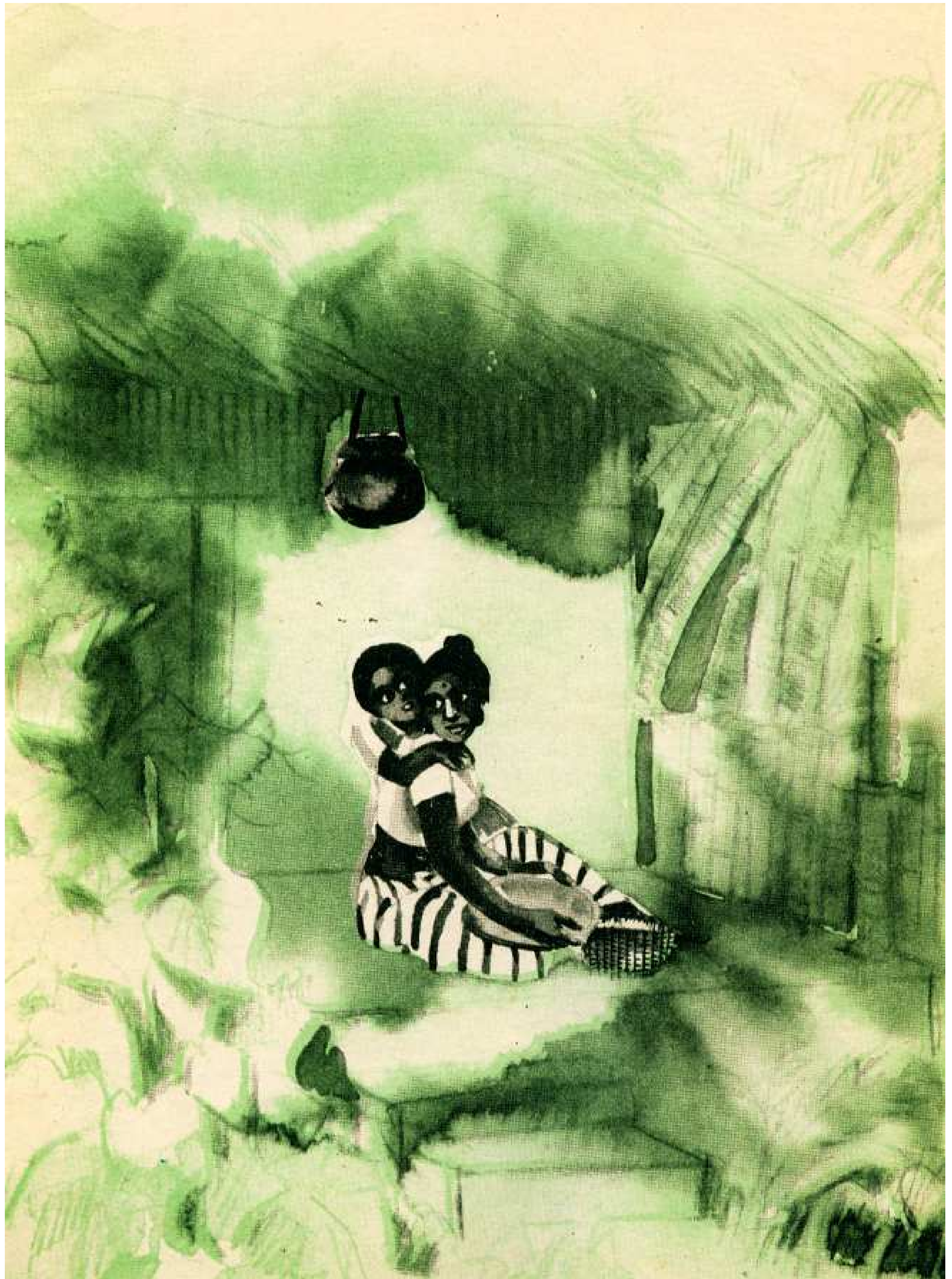
اس کے گاؤں کے زیادہ تر لوگ تو تاڑ کے پتوں سے بنے ٹوپ استعمال کرتے تھے۔ وہ انھیں سر پر ٹوپ کی طرح پہنتے تھے۔ تاڑ کی پتیوں کا ٹوپ پہن کر برسات میں کام کرنا بہت آسان ہوتا ہے کیونکہ اس طرح دونوں ہاتھ خالی رہتے ہیں۔ لیکن باقاعدہ کالی چھتری کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔



ایک دن جالو نے اپنی ماں سے پوچھا: "ماں، میں بھی اپٹن اور مینا کی طرح اسکول کیوں نہیں جا سکتی؟" جالو اپنے بھائی کو اپٹن کہتی ہے۔ اپٹن کا مطلب ہوتا ہے بڑا بھائی۔ اس کا نام گوپی ہے۔ جالو کا سوال سن کر اس کی ماں نے کہا: "تم ابھی چھوٹی ہو۔ جب بڑی ہو جاؤ گی، تب جاؤ گی۔" جب وہ پانچ سال کی ہوئی تو اس کا چھوٹا بھائی رامو پیدا ہوا۔ ماں نے کہا: "اب اسکول اگلے سال جانا اور دیکھو، جب میں کام کرنے کے لئے کھیتوں میں جاؤں تو تم اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا۔"

ننھا رامو دو سال کا ہو گیا، پھر تین کا ہو گیا۔ جالو نے جب ماں کو اپنے اسکول جانے کی بات یاد دلائی تو ماں چڑھ گئی: "کیوں چلا رہی ہو؟ اپٹن اسکول اس لئے جاتا ہے کہ وہ لڑکا ہے۔ لڑکے اپنا سبق جلدی یاد کر لیتے ہیں۔ تم اچھی لڑکی کی طرح چاول صاف کرنے اور لکڑی لانے میں میری مدد کیا کرو اور اپنے چھوٹے بھائی رامو کو شرارتیں کرنے سے باز رکھا کرو۔"







"مینا بھی تو لڑکی ہے مگر وہ تو اسکول جاتی ہے۔"

"مینا کے باپ کے پاس بہت پیسہ ہے۔" جالو کے باپ نے کہا جو اسی وقت کھیتوں سے آئے تھے۔ "لڑکیوں کو اسکول بھیجنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ انھیں تو کھانا پکانا سیکھنا چاہیئے۔ چاولوں کو صاف کرنا اور پکانا! کھیتی کے کام میں مدد کرنا وغیرہ ہی لڑکیوں کا کام ہے!"

کونے میں بچھی پیال کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تاؤجی جلدی سے اُٹھ بیٹھے اور کہنے لگے، "کیا ہے؟ کاہل کہیں کی! مار کھائے بغیر یہ نہیں مانے گی۔" یہ کہتے کہتے وہ کھانسنے لگے کیونکہ پان کی پیک ان کے گلے میں پھنس گئی تھی۔ ماں جلدی سے اٹھ کر اُن کی پیٹھ کو تھپ تھپانے لگی: تاکہ اُن کی کھانسی رک جائے۔ جالو کو رونا آ رہا تھا کیونکہ اس کی بات سننے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

"لیکن یہ سب کام تو میں اسکول سے آنے کے بعد بھی کر سکتی ہوں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں تاجی۔"

"اور تمھے رامو کا خیال کون رکھے گا۔ تمہاری ماں تو اور کاموں میں لگی رہتی ہے۔"

جالو نے ماں کی طرف دیکھا اور گہری سانس بھری۔ ماں ویسی ہی دکھائی دے رہی تھی جیسی رامو کے پیدا ہونے سے کچھ دن پہلے تھی۔



ماں نے بات بدلتے ہوئے جالو سے پیار بھرے لہجے میں کہا: "جالو، ذرا جاکر چندو سے مچھلی تو خرید لا. پکانے کے لیے." جالو ماں سے پیسے لے کر کھیتوں کے بیچ سے گزرتی ہوئی چندو کے گھر کی طرف چل پڑی.

جالو نے جب چندو سے کہا کہ ایٹن کی طرح وہ بھی پڑھنے کے لیے اسکول جانا چاہتی ہے تو وہ ہنس پڑا اور پوچھنے لگا! "اور اسکول میں تم کیا کرو گی؟ کیا سب کے ساتھ چلا چلا کر سبق یاد کرو گی؟ میں تو اسے وقت خراب کرنا کہتا ہوں. ہاں اگر تم کہتیں کہ مجھے جال بُننا سکھاؤ، مچھلی پکڑنا سکھاؤ تو یہ عقل کی بات ہوتی. اسکول! اچھی!!" چندو نے پانی میں بیچ سے تھوک دیا.



اور کاغذ میں مچھلی لپیٹتے ہوئے اس نے کہا، "اب تم فضول باتیں سوچے بغیر سیدھی گھر چلی جاؤ اور اچھی لڑکی بنو۔ اپنی ماں سے کہنا، روہو اب بہت کم آنے لگی ہے۔ اگلی بار میں چھوٹی شارک مچھلی لاؤں گا۔"

لٹن اب بارہ سال کا ہو گیا تھا اور رامو پانچ سال کا۔ دونوں اسکول جاتے تھے اور دس سال کی جالنو اپنے سب سے چھوٹے بھائی اَپو کی دیکھ بھال کرنے کے لئے گھر پر رہتی تھی۔ ہاں کبھی کبھی باڑ کے کسی چھید میں سے نکل کر ماں کی نظر بچاتی ہوئی وہ ندی کنارے آجاتی تھی۔ نیچے ندی کے آس پاس سب کچھ خاموش اور پُرسکون تھا اور اسے یہ ماحول اچھا لگتا تھا لیکن آج کچھ اور ہی بات تھی۔





آنسو کی ایک موٹی سی بوند نکل کر اس کی ناک پر سے لڑھک گئی۔ پھر ایک دوسری!

ایک بگلا تیزی سے نیچے جھپٹا۔ اس کے پنکھ دھوپ میں تیر کی طرح لگ رہے تھے۔ ایک ہری چھپکلی دھوپ سینکنے کے لیے سرکتی ہوئی ندی کے کنارے تک چلی گئی۔

"پیاری بچی کیا بات ہے؟" اُسے ایک ہلکی گونجتی ہوئی سی آواز سُنائی دی۔

جانو چونک گئی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ وہاں اس کے سوائے اور کوئی نہیں ہے۔ یہ چھپکلی کی آواز تو نہیں ہو سکتی اور بگلا تو بانسوں کے جھرمٹ میں بیٹھا اپنی پکڑی ہوئی مچھلی کھا رہا تھا۔ یہ توتے کی آواز بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی آواز تیکھی ہوتی ہے اور یہ کافی ہلکی آواز تھی۔ وہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ وہ بہت ڈر گئی اور بھاگنے کی فکر میں ہی تھی کہ وہ آواز پھر سنائی دی۔ جو کہہ رہی تھی۔

"تمہیں رونا نہیں چاہیے اور پھر تم تو مجھے دیکھنے روز ہی آتی ہو۔"

وہ پھر چونکی۔ یہ تو ندی کے بہاؤ کی طرح ہلکی گونجتی ہوئی سی آواز تھی۔ یہ ندی ہی تو نہیں؟ ندی ہی تو تھی! ندی کہنے لگی: "اچھا مجھے بتاؤ بات کیا ہے۔ تم جانتی ہو کہ مجھے سمندر کے پاس جانے کی جلدی ہے۔"



جالو نے کہا، "وہ مجھے اسکول نہیں بھیجتے۔ انھیں لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔ انھیں تو..."
ایک دو سسکیاں بھرنے کے بعد اس نے پھر کہا: "انھیں تو لڑکے ہی اچھے لگتے ہیں۔ میں اتنی بڑی ہو گئی ہوں لیکن وہ مجھے اسکول نہیں جانے دیتے۔ میں بھی ایٹن اور مینا کے طرح پڑھنا لکھنا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ پیلے پھولوں کی مکڑیاں پیلی کیوں ہوتی ہیں؟ بانس سرسراتے کیوں ہیں؟ چاند ہمیشہ پہاڑوں کے پیچھے سے کیوں نکلتا ہے کسی اور طرف سے کیوں نہیں؟ پوکھر کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں مینڈک کیسے بن جاتی ہیں؟ اور......"

"رکو۔ رکو" ندی کہنے لگی۔ "تم نے تو مجھے گھبرا ہی دیا ہے۔ اتنے سارے سوال؟ میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ چاند کہاں جاتا ہے۔" اس نے جیسے کوئی راز کی بات بتاتے ہوئے کہا۔ "چاند نیچے سمندر کی طرف چلا جاتا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔ وہ میری طرح پہاڑیوں کے راستے سے گزر کر سمندر میں چھپ جاتا ہے۔"

جالو سسکتی ہوئی بولی: "چھوٹا سا رامو بھی اسکول جاتا ہے۔" ندی نے اداس ہو کر کہا: "اسکول بھی تو سمندر کے کنارے نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں تمہیں اپنے ساتھ وہاں لے جاتی۔ لیکن نہیں، اس طرح تو تمہارے پیر بھیگ جاتے۔ ایسا تو مشکل تھا۔ تم ایک کام کر سکتی ہو لیکن، نہیں، تم نہیں کر سکو گی۔"

جالو نے پوچھا۔ "کیا میں کچھ کر سکتی ہوں؟" ندی بولی۔ "یہ تو تمہاری مرضی پر ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ جو کچھ چھوٹے لڑکے کر سکتے ہیں، وہی سب چھوٹی لڑکیاں بھی کر سکتی ہیں۔ وہ لڑکوں کی طرح تیر بھی سکتی ہیں۔ تم کسی دن صبح چپکے سے اسکول میں جا کر بیٹھ جانا اور جو سبق پڑھایا جا رہا ہو اسے غور سے سننا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں وہاں بیٹھا رہنے دیں۔"

ایسا نہیں [illegible] نے کہا: "وہ مجھے دھمکائیں گے۔ گھر سے باہر نکال [illegible] بانسوں کے جھرمٹ والے سانپ سے بھی ڈر نہیں لگتا۔" جالو جونک [illegible]

ریل گاڑی سے بھی تم نہیں ڈرتیں۔ ریل گاڑی بہت شور کرتی ہے۔ مجھے تو جہاز زیادہ اچھے لگتے ہیں۔"

جانو سانپوں سے ڈرتی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ بالنوں کے جنگل میں سانپ رہتے ہیں۔ اس نے ندی سے پوچھا۔ "جہاز کیا ہوتے ہیں؟" ندی بولی "بڑی بڑی کشتیاں! اتنی بڑی کہ اس میں بہت سارے آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور جہاز سمندر میں چلتے ہیں ان میں بتیاں جلتی ہیں، جو چمکتی بھی ہیں۔"



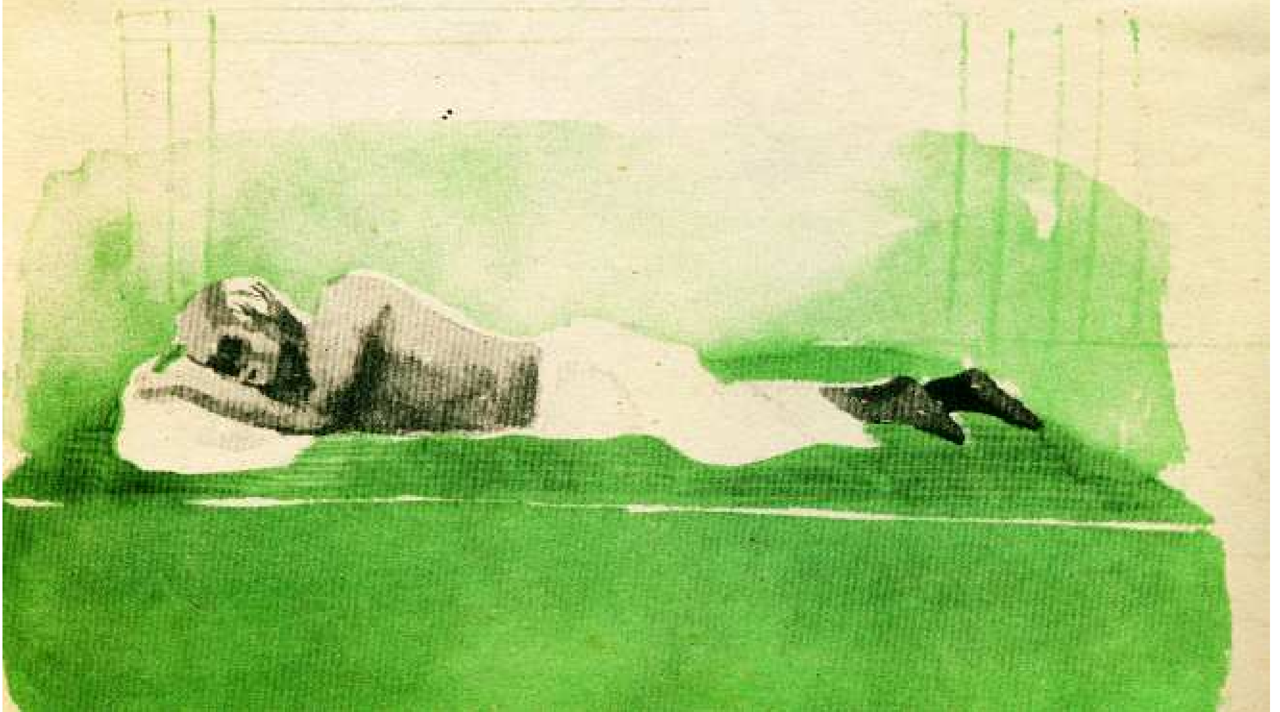


جالو سانس روکے سن رہی تھی۔ پوچھنے لگی: "کیا وہ یہاں بھی آجائیں گے؟" ندی بولی: "یہاں کیسے آئیں گے؟ وہ تو بہت بڑے ہوتے ہیں! یہاں تو چندو کی لکڑی کی ناؤ ہی آسکتی ہے۔ چندو تمہیں کسی دن جہاز دکھانے کے لیے لے جاسکتا ہے۔"

رُوانسی ہوکر جالو نے کہا: "وہ مجھے کبھی جانے نہیں دیں گے۔ ہائے، میں لڑکی کیوں ہوئی؟" ندی دلاسہ دیتے ہوئے بولی: "لیکن پہلے تم اسکول جانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو یہ تمہاری خواہش پر منحصر ہے۔"

ندی کی آواز ہلکی ہوتی چلی گئی اور جالو کو اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ اپنی .. آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ضرور کوئی خواب رہا ہوگا لیکن وہ جب پتھر سے اتر کر بانسوں کے جھرمٹ کے قریب سے گزرتی ہوئی کھیتوں والے راستے پر چلنے لگی تب بھی اسے ندی کی آواز یاد آتی رہی۔ ہلکی گونجتی ہوئی سی آواز!

اسکول تک آخر وہ پہنچ ہی گئی مگر یہ آسان کام نہیں تھا۔ پہلے تو وہ اپنے پتاجی کے کھیتوں پر جانے اور ماں کے کھانا بنانے شروع کرنے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر اُس نے اپنے بالوں میں کنگھی کی اور لال ربن باندھا۔ یہ ربن اُسے مینا کی ماں نے دیا تھا۔ تاؤجی اپنے ٹھنڈے چاول اور نمک لگے آموں پر مشتمل اپنا صبح کھانا کھاکر سو گئے تھے۔ ننّھا اِلّو اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا اور ایٹن اور رامو اسکول جاچکے تھے۔



رامو اسی سلیٹ پر لکھتا تھا جس پر پہلے اٹین لکھا کرتا تھا۔ ان دنوں جب وہ پہلے پہل اسکول گیا تھا اور جب گھر کے دوسرے لوگ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تھے تو جالو، رامو سے وہ سلیٹ مانگ لیتی اور اس پر تصویریں بنایا کرتی تھی۔ سلیٹ پر تصویریں بنا کر مٹائی اور پھر دوبارہ بنائی جا سکتی ہیں نا!

اس نے ننھے اپو کو چٹائی پر لٹایا اور گھر کی باڑ کی طرف چل دی۔ اسی وقت ننھا اپو رونے لگا۔ وہ جھجکتی ہوئی واپس آئی اور اس نے ننھے اپو کو گود میں اٹھا لیا۔ ننھے اپو نے زور سے کلکاری ماری اور اپنے گدگدے ہاتھوں سے اس کے گالوں پر مکے چلانے لگا۔

اس نے بہت ہلکی آواز میں کہا: "اچھا تو میں تمہیں اپنے ساتھ ہی لے چلتی ہوں۔ لیکن دیکھو، وہاں رونے مت لگنا۔ نہیں تو..... نہیں تو میں تمہیں جنگل میں پھینک دوں گی اور توتے تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے۔"

ہانپتے کانپتے وہ اسکول پہنچی اور جا کر دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ گروجی اس وقت اشوک نام کے ایک راجکمار کی کہانی پڑھا رہے تھے جو بعد میں ایک بہت بڑا راجہ بنا۔ اس کے کندھے سے چپکا اپو سو گیا تھا۔ جالو دھیرے دھیرے سرکتی ہوئی پچھلی



قطار کے پاس تک پہنچ گئی۔ سبھی بچے پالتھی مارے زمین پر بیٹھے تھے۔ اپو بالکل خاموش تھا اور منہ سبق سن رہی تھی۔

گروجی سوال پوچھنے لگے۔ سبھی بچے کتاب کے ورق الٹ رہے تھے اور جواب دینے کے لیے ہاتھ کھڑے کر رہے تھے۔ سوال پورا ہونے کے بعد گروجی نے کہا، "اب میں تمہیں ایک مزیدار خبر سناتا ہوں۔ اب ہم لوگ اگلے ہفتے ریل گاڑی سے کوزی کھوڈ (کالی کٹ) جائیں گے۔ وہاں ہمیں بڑے بڑے بازار اور ٹائیلوں کے کارخانے دیکھنے کو ملیں گے۔ وہاں میں تمہیں سمندر اور لائٹ ہاؤس بھی دکھاؤں گا۔"



بے ساختہ کہہ اٹھی! "جہاز تو ناؤ سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا کہ اس کے اندر بہت سارے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ اور ...." وہ رک گئی۔

سب ہی کی آنکھیں اس کی اور ننھے اپّو کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ جالو کے ایک دم کھڑے ہو جانے کی وجہ سے ننھے اپّو کی نیند کھل گئی تھی اور وہ رونے لگا تھا۔ جالو گھبرا گئی۔ گروجی نے پوچھا! "لڑکی تم کہاں سے آئی ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ تم میرے کلاس میں آج سے پہلے تو کبھی نظر نہیں آئیں۔ اور کیا میں نے تم سے، تم سب سے یہ نہیں کہا تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو یہاں مت لایا کرو؟ یہ کس کا بچہ ہے؟ اسے یہاں کون لایا ہے؟ جواب دو!"

گروجی کا چشمہ گرتے گرتے بچا۔ جماعت کے سب ہی بچے گردن ہلانے اور آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ جالو کا نچلا ہونٹ ذرا کانپا! "میں ..... میرا..... نام ..... جا... لو..... ہے ..... گرو..... جی۔ یہ .... یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ میں نے اسے جان بوجھ کر نہیں رلایا۔ میں تو......"

"یہ گوپی کی بہن ہے۔ گوپی نیل والی کلاس میں پڑھتا ہے۔" ایک لڑکے نے کہا۔



کلاس کے سبھی بچے خوشی سے چلانے لگے۔ ایک جولاہے کے لڑکی کٹّی نے پوچھا "گروجی، لائٹ ہاؤس کیا ہوتا ہے؟"

"وہ پنسل کی بناوٹ کی طرح ایک بہت بڑا مینار ہوتا ہے۔ جس کی چوٹی پر سے سمندر میں چاروں طرف دُور دُور تک تیز روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ تاکہ جہاز بغیر کسی خطرے کے آ جا سکیں۔"

نالو نے پوچھا "گروجی، جہاز کیا ناؤ کی طرح کا ہوتا ہے؟" نالو اپنی ماں کے ساتھ جنگل کے کنارے پر رہتا تھا۔ اسکول آنے کے لیے اُسے روز دو میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔

گروجی نے کلاس سے پوچھا "نالو کے سوال کا جواب کون دے گا؟" چالو اس ماحول میں اتنی کھو گئی تھی کہ وہ ننھے اپّو کو، اپنے ڈر کو اور اپنی جھجک کو بالکل بھول گئی تھی۔



"یہ جالو ہے" ایک دوسرے لڑکے نے بتایا

"یہ چاچا گوپالن کی چھوٹی لڑکی ہے" تیسرے نے کہا۔

گرو جی نے کہا: "اِدھر آؤ جالو۔ کوئی بات نہیں۔ اپنے بھائی کو بھی لے آؤ۔ میری میز کے نزدیک آؤ۔ اب اور لوگ جا سکتے ہیں۔"

ڈرتی جھجکتی جالو آگے بڑھی۔ ننھا اپو بھی ڈر سے سسکیاں بھر رہا تھا کیونکہ اسے آس پاس نئے چہرے نظر آ رہے تھے۔ لڑکے ٹولیاں بنا کر باہر دھوپ میں نکل آئے اور اُسے اکیلے ایک اجنبی (گرو جی سے وہ پہلی بار ملی تھی) کے سامنے چھوڑ دیا۔ ہمت باندھنے کے لیے اس نے ننھے اپو کو زور سے چمٹا لیا۔ اسکول آنے کی خواہش مردہ ہو گئی تھی۔ کلاس میں بچے نہ ہوں تو اسکول بھیانک لگتا ہے۔

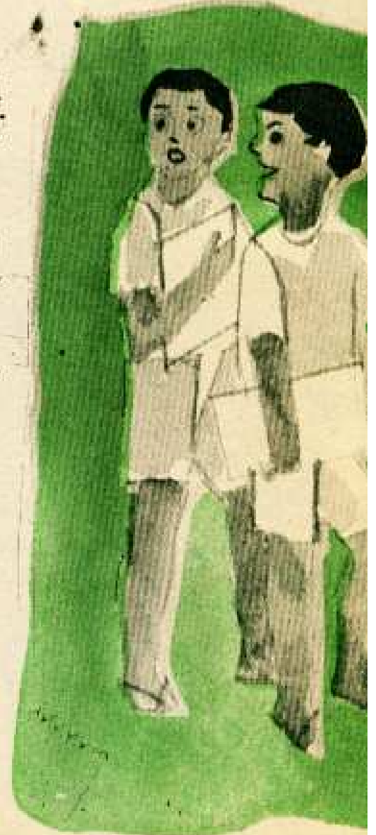
"تو تم گوپی کی چھوٹی بہن ہو؟ گوپی اچھا لڑکا ہے" چشمے کے شیشوں کے بیچ میں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گرو جی نے کہا: "شاید اسے پتہ نہیں کہ تم یہاں ہو"

جالو چپ رہی۔

"شاید تم سمجھ رہی ہو کہ تم اور تمھارا چھوٹا بھائی کہیں بھٹک گئے ہیں۔ اچھا بتاؤ، تم پہلے کبھی اسکول کیوں نہیں آئیں؟" گرو جی نے اپو کی طرف ایک پنسل بڑھائی پہلے تو وہ جھجکتا ہوا پنسل کی طرف دیکھتا رہا، پھر اپنی گول، مٹول انگلیوں میں اسے پکڑ لیا۔

گرو جی کے بار بار یہ پوچھنے پر کہ وہ اب تک اسکول کیوں نہ آسکی، جالو نے انھیں سب کچھ بتا دیا۔ اس بات چیت میں دوپہر ہو گئی۔ اور وہ جب گھر پہنچی تو ماں بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ جالو کو دیکھتے ہی اس نے اطمینان کی سانس لی اور اسے زور کی ڈانٹ پلائی۔ پتا جی نے کہا "گھر میں اتنا زیادہ کام ہے اور اسے دیکھو کہ گھومتی رہتی ہے۔ کسی دن چھڑی سے پٹائی کرنی پڑے گی۔" ان کی آواز ویسی ہی تھی جیسی تھک کر گھر آنے کے بعد عام طور پر روز ہوتی تھی۔

لیکن جالو نے راز کی بات کو چھپائے رکھا۔ ویسے ہی جیسے اپنے چمکتے ہوئے تانبے کے سکے کو روز املی کے رس سے چمکاتی ہے اور رات کو ہوشیاری سے اپنی چٹائی کے نیچے رکھ دیتی ہے۔ لیکن جب گوپی اسکول سے گھر آیا تو سب ہی کو اس کی شرارت کا پتہ چل گیا لیکن یہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ گرو جی نے اس سے کیا کہا تھا۔ گرو جی کے وعدے کو اس نے اپنے دل میں اس طرح چھپا لیا تھا جیسے دھوپ میں چمکنے والے



اپنے سکے کو اس نے اپنے پاس چھپا رکھا تھا: جانو، اگر تم سچ مچ میرے اسکول میں آ کر پڑھنا چاہتی ہو تو میں اس بارے میں تمہارے پتا جی سے بات کروں گا۔ تم فکر مت کرو ہم ضرور کوئی طریقہ ڈھونڈھ نکالیں گے۔"

اس کی یہ کہانی سن کر مینا ہنسنے لگی تھی۔ مینا خوب ہنستی تھی اور ہنستے ہوئے اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے۔ مینا نے بتایا کہ سارے گاؤں کو پتہ چل گیا ہے کہ جانو کس طرح اسکول گئی تھی اور مینا کے پتا جی کا خیال تھا کہ پڑھنے کی اتنی لگن اور چاؤ تو لڑکوں میں نہیں ہوتا۔ مینا کی ماں نے کہا: "ذرا اسے بڑی تو ہونے دو۔ وہ اس جگہ کو ہلا کر رکھ دیگی اس میں مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد مینا نے کہا تھا۔ آؤ چلو، ذرا سیر کریں! دیکھیں کنارے تک پہلے کون پہنچتا ہے' اس نے جانو کو پانی میں کھینچ لیا اور دونوں تیزی سے تیرتی ہوئی کنارے پر



پڑھیں اور پھر گھر واپس آگئیں۔

اپنے بھیگے ہوئے بالوں کو جھٹکتے ہوئے مینا نے کہا، "اسکول بڑی مزیدار جگہ ہے۔ تم ضرور پسند کروگی۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہارے پتاجی تمہیں ضرور اسکول جانے دیں گے۔ میرے پتاجی کہتے ہیں کہ اگر خوب محنت سے پڑھائی کرو تو خوب آگے جاسکتی ہو، ہائی اسکول تک۔"

"اور ہائی اسکول کے بعد؟" جانو نے پوچھا۔ ویسے تو اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ہائی اسکول کیا ہوتا ہے لیکن مینا کو بھی اس کے سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔

دوسرے دن جب شام کو جانو چراغ جلا رہی تھی تو اس نے گردجی کو اپنے گھر کی طرف آتے دیکھا۔ چراغ جلا کر وہ اسے برآمدے میں لے آئی اور اسے طاق میں رکھ دیا تاکہ اس کی ٹمٹماتی روشنی گھر بھر کو چمکا سکے۔ تاؤجی تلسی کے پودے کے سامنے بیٹھے پوجا کر رہے تھے، ایٹن اور رامو ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ رامو بھی بیچ بیچ میں زور سے کچھ بولتا جا رہا تھا۔ جانو کا بھی پوجا کرنے کو بڑا دل چاہ رہا تھا۔ وہ تاؤجی کے ساتھ مل کر آرتی بھی کرنا چاہتی تھی لیکن ڈر کے مارے وہ دل ہی دل میں آرتی کر رہی تھی۔ ہلکی آواز میں چھوٹی سی آرتی۔ اسے یقین تھا کہ بھگوان اس کی دعا ضرور سنیں گے۔



اندر وہ دیکھ رہی تھی کہ پتا جی اس طرح اپنی گردن گھما رہے تھے جیسے فکر مند ہونے پر گھماتے تھے۔ گرو جی گردن ہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے جسے وہ سن نہیں پائی، پھر گرو جی نے پتا جی کو پان کا پتہ اور تمباکو دیا جسے منہ میں رکھ کر وہ چبانے لگے اور پھر جا کر وہ گرو جی کو بانس کی باڑ تک چھوڑ آئے۔

گرو جی کے جانے کے بعد ماں نے کہا: "جانو بیٹی، جب تو اسکول چلی جایا کرے گی تو مجھے بہت یاد آیا کرے گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں ہی کی طرح لکھنا پڑھنا چاہیے۔ جب میں تیری عمر کی تھی تو میں بھی اسکول جانا چاہتی تھی لیکن میری دادی نے منع کر دیا۔ گرو جی تیرے پتا جی سے بات کرنے آئے تھے۔ میں اس بات سے بہت خوش ہوں۔"

جانو چپ رہی، ماں نے آگے کہا:

"گرو جی کل بھی آئے تھے، اس وقت تو مینا کے گھر میں تھی، وہ کہتے ہیں تو بھی گوپی کی طرح لکھ پڑھ سکتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ گوپی خوب پڑھے تاکہ لکھ پڑھ کر مینا کے چاچا جی کی طرح اس بہت بڑے دفتر میں کام کرے جو آج کل دلّی نامی ایک شہر میں ہے۔ یہاں سے ریل سے سفر کر کے دلی پہنچنے میں تین دن لگتے ہیں۔



"لیکن جانو بیٹی، اگر اب تو اسکول گئی تو کیا کرے گی؟ اپنا نام لکھنا سیکھ جائے گی یا زیادہ سے زیادہ مینا کی ماں کی طرح ایک بڑی سی مشین پر کپڑے سی سکے گی۔ خیر جو بھی ہو اب اگر تو نے اسکول جانے کا پکّا ارادہ کر ہی لیا ہے تو تیرے راستے میں کوئی روک نہیں لگنی چاہیئے ۔" اور پھر ماں نے ننھے اپّو کو ایک پیارا سا گیت سنایا:

پیاری کومل پیاری چڑیا
گرمی بیتی آئی برکھا
پر دِیّا بھی ساتھ چلی
جھم جھم برکھا بھلی بھلی
دانا دنکا کھا لے تو
اپنا گھر بنا لے تو



"ماں" کہہ کر جانو دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی اور گلے میں بانہیں ڈال کر اسے کس کر پکڑ لیا، کہنے لگی "جب بڑی ہو جاؤں گی تو میں بھی ماسٹرنی بنوں گی۔ گاؤں کے گھر گھر میں جا کر سب ہی چھوٹی بچیوں سے اپنے اسکول میں آنے کو کہوں گی اور میں انھیں وہ سب کچھ ہی پڑھاؤں گی جو اب خود پڑھوں گی تم دیکھ لینا—"

اور اگلے دن صبح اسکول جانے سے پہلے وہ کھیتوں کے بیچ میں سے گزر کر اپنے خاص راستے سے ندی کے کنارے پہنچی اور اپنے اسی پسندیدہ پتھر پر اچھل کر بیٹھ گئی۔ اس کے بالوں میں لال ربن بندھا تھا اور ساتھ ہی ایک پیلا پھول بھی لگا ہوا تھا۔





”میں نے کر کے دکھا دیا!“ اس نے ندی سے کہا۔ ۔ ۔ وہ ڈر تو رہی تھی، پھر بھی اسکول گئی اور اب وہ مجھے اسکول بھیج رہے ہیں۔ اب میں وہاں جا کر اپنا نام لکھاؤں گی، لکھنا پڑھنا سیکھوں گی اور یہ بھی پتہ لگاؤں گی کہ چاول کے کھیتوں کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں مینڈھک کیسے بن جاتی ہیں۔ لائٹ ہاؤس بھی دیکھوں گی اور ایک دن جہاز بھی دیکھنے جاؤں گی!“ اس نے گردن مٹکاتے ہوئے ندی سے کہا۔

گول گول سلیٹی پتھروں کے بیچ سے گزرتی ہوئی ندی کی دھارا بانس اور ناریل کے پیڑوں کو چھوتی ہوئی بہتی رہی۔ جانو نے اپنے بالوں میں سے چمیلی کی ایک کلی نکالی اور اسے ندی کے بہاؤ میں پھینکتے ہوئے کہا: ”پیاری ندی! اسے سمندر تک لے جاؤ، جلدی کرو جلدی نہیں تو تم وہاں کبھی نہیں پہنچ پاؤ گی۔“ یہ کہہ کر وہ واپس چل پڑی۔ ایک دو قدم چل کر وہ رکی، پھر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ سفید اور پیلی کلی پانی کے بہاؤ کے ساتھ نیچے کی طرف بہہ رہی تھی۔ اب جانو کو یقین ہو گیا تھا کہ اس دن خواب میں اس نے ندی کو ہی بولتے سنا تھا۔ لیکن آج تو وہ سچ مچ ہی اسکول جا رہی تھی۔ اس کے بالوں میں لال ربن بندھا ہوا تھا اور یہ خواب نہیں تھا۔



جانو لمبے چوڑے ہرے بھرے کھیتوں کے بیچ سے دوڑ پڑی۔ اس وقت اسے محسوس ہوا کہ اس نے ندی کی ہلکی سی پھُس پھُساہٹ سنی ہے: "پیاری بٹیا، پھر آنا۔ میں تمھیں جہازوں اور سمندر کے بارے میں بتاؤں گی۔"

ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ندی بول رہی ہے لیکن یہ تو چاول کے کھیتوں میں سے گزرتی ہوئی ہوا کا سنگیت تھا۔



